''تاریخ ادب اُردو'' از رام بابو سکسینہ کے مصادر

ڈاکٹر سمیرا اعجاز

ABSTRACT:

"A History of Urdu Literature" by Ram Babu Saksena is the first remarkable and comprehensive history of both prose and poetry in Urdu Literature. He tried to write this history on the Western principles of historiography. If we look back in the past, it reveals that Saksena is the first whose methodology is based upon research. The authenticity of history depends upon the sources becuase on the course of research, sources determines the reliability and fineness of facts. Although Ram Babu Saksena wrote his history on the base of the best and unique soruces but he did not present their full evidences and references. This article narrates the introduction of these soruces to show its worth. It also mentions the places from which Saksena cited.

تاریخ ادب اُردو از رام بابو سکسینہ، پہلی بار رام نرائن لال، الہ آباد سے ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ اِس کا اُردو ترجمہ مرزا محمد عسکری نے کیا جو ۱۹۲۹ء میں منشی نول کشور پریس، لکھنؤ سے اشاعت پذیر ہوا۔ آغا محمد باقر نے ۱۹۳۳ء میں مذکورہ کتاب کی تلخیص کی جو **تاریخ نظم و نثر اُردو** کے نام سے شیخ مبارک علی سنز، لاہور سے چھپی۔ رام بابو سکسینہ کی انگریزی کتاب کے ترجمہ اور تلخیص کی اشاعت ،اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع، مواد، مواد کی ترتیب و پیش کش اور تنقیدی نوٹ کے اعتبار سے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ اُردو ادب کی پہلی مکمل اور جامع تاریخ ہے جسے مختلف اوقات میں ترتیب دیا جاتا رہا، ان میں درج ذیل اشاعتیں اہم ہیں:

۱۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، س ن

۲۔ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، ولی سنز، لاہور، س ن

۳۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، علمی کتاب خانہ، لاہور، ۱۹۸۲ء
۴۔ قیوم نظامی، گلوب پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء

اُردو میں ادبی تاریخی نویسی کے حوالے سے تذکرے اہمیت رکھتے ہیں اور تذکروں کی دنیا میں **آب حیات** ایسی کڑی ہے جو تذکروں کی روایت کو تاریخ نویسی سے آشنا کرتی ہے اور یہی آشنائی، مکمل تعارف میں ڈھل کر رام بابو سکسینہ کی **تاریخ ادب اُردو** کی صورت متشکل ہو کر ادبی تاریخ نویسی کے ماڈل کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ اس تاریخ نے پہلی بار تحقیق کے لیے ماخذات کی فراہمی، درجہ بندی اور نتائج کے استخراج و استنباط کا ایسا طریقہ اپنایا جو ما قبل روایت میں موجود نہ تھا مگر نقشِ اول ہونے کے باوصف تحقیقی سوالات بھی پیدا کیے۔

رام بابو سکسینہ نے **تاریخ ادب اُردو** کے دیباچے میں کتاب کی تالیف کے مقاصد بیان کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زمانۂ قدیم سے اپنے عہد تک معروف و نامور شعرا اور نثر نگاروں کے مختصر احوال اور تصانیف کا ایسا تعارف پیش کرنا چاہتے تھے کہ جس میں ادب اُردو کے تدریجی ارتقاء کا خاکہ مرتب ہو سکے اور عوام میں اُردو ادب کا صحیح ذوق پیدا ہو سکے جو ہندو مسلم اتحاد کا بہترین وسیلہ بن سکے۔ اس خاکے کو مرتب کرنے میں اُنھوں نے اس دور کے تاریخی حالات و واقعات کو خاص طور پر پیش نظر رکھا، مزید برآں اُنھوں نے پروفیسر سینٹسبری کی کتاب **مختصر تاریخِ انگریزی علم و ادب** میں روا اصولوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا کیوں کہ وہ جدید تنقیدی اُصولوں کے مطابق ایسی کتاب تیار کرنا چاہتے تھے جس سے انگریزی دان جماعت بھی اُردو ادب سے کما حقہ، واقف ہو جائے۔[۱]

رام بابو سکسینہ نے سیاسی پس منظر، ادبی رجحانات کی تفصیل اور حالات و نظریات کی روشنی میں اُردو کے آغاز کے لسانی مباحث، دکنی شعر و ادب کی روایت، شعرا کے درست سوانحی کوائف اور ادبی آثار کی دریافت کو خاص طور پر پیش نظر رکھا ہے۔ وہ دریافت و تعین کے عمل میں ما قبل تاریخی ادبیات کی صحت پر بھی بحث کرتے ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ یہ تصدیق یا تردید، تحقیقی اعتبار سے کیا درجہ رکھتی ہے؟ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اُنھوں نے پہلی بار اُردو ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے تحقیقی و تنقیدی نقطۂ نظر کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ولؔی کے وطن کی بحث، خواجہ میر دؔرد کی عمر کے تعین، میر تقی میر کے بارے میں آزؔاد کے بیانات کی تردید، اُردو نثر اور ڈرامے کی تاریخ، فورٹ ولیم کالج اور اس کے مصنفین، ہندوستانی قواعد و لغت نویسوں، الف لیلیٰ کے ترجموں، اُردو ڈراما نگاروں، مستشرقین کے کارناموں اور نظیر اکبر آبادی کے حوالے سے خصوصی نوٹ؛ کتاب کی تحقیقی و تنقیدی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری رام بابو سکسینہ کی **تاریخ ادب اُردو** میں مستعمل مصادر کے حوالے سے اپنی تنقیدی رائے یوں دیتے ہیں:

> ''سکسینہ کی اس تاریخ میں محققین نے اب تک بہت سی خامیاں نکالی ہیں ۔۔۔ ۱۹۲۷ء میں جب یہ کتاب شائع ہوئی تو اس وقت تک اُردو ادب پر تحقیق کے لیے اس قدر مصادر نہیں تھے جس قدر کہ آج حاصل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محققین کو آج اس میں بے شمار اغلاط نظر آتی ہیں۔''[۲]

رام بابو سکسینہ نے اُردو ادب کی تاریخ وتنقید کی ما قبل روایت کے برعکس اور انگریزی ادب کی تاریخ نویسی کے اُصولوں کے مطابق، اُردو ادب کی تاریخ مرتب کرنے کے لیے اپنے عہد تک سامنے آنے والی تمام تر دریافتوں اور ماخذات کو سامنے رکھا ہے جن سے وہ نہ صرف اخذ و استفادہ کرتے ہیں بلکہ بعض مقامات پر سند کے طور پر اقتباس بھی درج کرتے ہیں مگر خامی یہ ہے کہ وہ ان مآخذ کے حوالے سے کسی قسم کی تفصیل فراہم نہیں کرتے۔ اگر مصنف کا نام بتاتے ہیں تو تصنیف کا نام درج نہیں کرتے اور اگر تصنیف کا نام درج کرتے ہیں تو مصنف کا نام نہیں بتاتے۔ بعض اوقات وہ ثانوی ماخذ کو ہی بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کرتے ہیں جس کی بنا پر در آنے والی تحقیقی اغلاط، غلطی در غلطی کی صورت میں تاریخ ادب اُردو کے متن کا حصہ بن جاتی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اُنھوں نے اپنے عہد کے تمام تر ماخذات کو سامنے رکھا جن میں تحقیقی وتنقیدی کتب، رسائل، تذکرے، حتیٰ کہ انگریزی کتب بھی شامل تھیں۔ اس بات کا اُنھیں خود بھی احساس و اعتراف تھا جس کا اظہار اُنھوں نے مذکورہ کتاب کے دیباچے میں کیا ہے کہ ''اول؛عوام کے ذوقِ مطالعہ کے مطابق بنانے کے سبب، فٹ نوٹ اور حوالے شامل نہ کیے جا سکے۔ دوم، کتاب کو ضخامت سے بچانے کے لیے تفصیل نہیں دی گئی''۔[۳] یہیں سے وہ اس بات کا عندیہ بھی دیتے ہیں کہ ماخذات کے حوالے سے ایک الگ رسالہ ''ماخذ ادب اُردو' کے نام سے شائع کیا جائے گا[۴] مگر یہ رسالہ منظرِ عام پر نہیں آ سکا۔

رام بابو سکسینہ کی تاریخ کے ماخذات کی وضاحت و تحقیق، اس تاریخ کی اہمیت کو واضح کرتی ہے کہ وہ ادب اُردو کی تاریخ رقم کرنے کے لیے اپنے عہد کے تمام تر تحقیقی وسائل بروئے کار لائے۔ ان ماخذات و منابع کو موضوع اور نوعیت کے اعتبار سے چار بنیادی زمروں؛ تذکرے، کتب، اخبارات و رسائل اور بیاض میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مرزا سلیم بیگ، سکسینہ کی **تاریخ ادب اُردو** کی انفرادیت یوں واضح کرتے ہیں:

> ''اُردو شعر و ادب کی تاریخ نے تذکروں کی فضا میں آنکھ کھولی، جن میں بیشتر فارسی، کچھ فارسی سے ترجمہ شدہ اور چند ایک اُردو یا ان کے علاوہ کچھ تذکرہ نما تاریخیں ہیں جو سب مل کر ایک 'مربوط' اور 'مکمل' ادبی تاریخ کی تصنیف میں مددگار ہو سکتے ہیں مگر خود تاریخ نہیں کہلا سکتے۔ سکسینہ نے ایک جامع ادبی تاریخ تصنیف کر کے ایک ایسے عملی سلسلے کا آغاز کیا جو ہنوز جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سکسینہ کی تاریخ جو اس زمانے کے تاریخی و علمی مزاج کے عین مطابق ہے۔ اس سلسلے کی اوّلین تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔''[۵]

قدیم اور کلاسیکی شعر و ادب کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے رام بابو سکسینہ نے زیادہ تر تذکروں سے استفادہ کیا ہے۔ بعض اوقات اُن تذکروں کے محض نام دے دیتے ہیں اور کہیں کہیں اقتباسات بھی درج کرتے ہیں۔ براہِ راست ماخذ بننے والے تذکروں میں، میرحسن کا **تذکرہ شعرائے اُردو** سب سے زیادہ، تیرہ (۱۳) مقامات پر مقتبس ہوا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۱۹۱ھ میں لکھا گیا اور پہلی بار ۱۹۲۲ء میں، حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے مبسوط مقدمے کے ساتھ مطبع مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ سے شائع ہوا۔ فارسی زبان کے اس تذکرے میں کل تین سو چار (۳۰۴)

شعرا کا انتہائی معتدل ذکر ہے۔ رام بابو سکسینہ نے غواصی کے تعارف (**تاریخ ادب اُردو**، کراچی: غضنفر اکیڈمی ،ص:۶۸)، قطب شاہی دور کے ایک شاعر نوریؔ کی دریافت (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۶۹)، عہد ایہام گوئی میں شعرا کے طرز بیان (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۸۵)،فقیر اللہ آزاد کی دریافت (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۴)، ولیؔ دکنی کے مقام پیدائش کے تعین (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۵)، سراج اورنگ آبادی کے تلمذ (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۹)، امیر خسرو کے بعد، خان آرزو کو ہندوستان کا سب سے بڑا شاعر قرار دینے (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۸۶)، میر سوز کے کلام کی خوبیوں کے بیان (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۰۴)، مرزا محمد رفیع سودا کے شعری قد کے تعین (**تاریخ ادب اردو**،ص:۱۱۵)، شیخ قلندر بخش جرأت کے سوانحی کوائف اور شعری مقام و مرتبے کے تعین (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۷۶/۱۷۵)، غلام ہمدانی مصحفی کی سوانحی معلومات (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۷۸) اور ابتدائی مرثیہ گووں کی دریافت (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۲۳۸) کے لیے میر حسن دہلوی کے **تذکرہ شعرائے اُردو** کو ماخذ بنایا گیا ہے۔ وہ میر تقی میرؔ کو، میر حسن ہی کے الفاظ میں ''افصح الفصحا اور بے نظیر و بے عدیل شاعر'' قرار دیتے ہیں۔(**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۵۴)

رام بابو سکسینہ نے میر تقی میر کے تذکرہ **نکات الشعرا** کو **تاریخ ادب اُردو** میں دس (۱۰) مقامات پر ماخذ بنایا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۱۶۵ھ میں لکھا گیا اور پہلی بار حبیب الرحمٰن شیروانی کے مقدمے کے ساتھ ۱۹۲۰ء میں نظامی پریس، بدایوں سے شائع ہوا اور مولوی عبدالحق کے تحقیقی مقدمے کے ساتھ ۱۹۳۵ء میں انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد سے شائع ہوا۔ فارسی زبان میں لکھے گئے اس تذکرے کا اُردو ترجمہ ایم کے فاطمی نے کیا جو دانش محل، لکھنو سے ۱۹۶۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس تذکرے میں ایک سو تین (۱۰۳) شعرا کا اندراج بہ لحاظِ حروفِ تہجی کیا گیا ہے۔ تذکرہ نگاری کی روایت میں یہ تذکرہ اپنی اوّلیت اور تنقیدی رائے دونوں اعتبار سے اہم ہے۔ نیاز سلطان پوری اس تذکرے کی تنقیدی اہمیت یوں ظاہر کرتے ہیں:

> ''میر صاحب کا تذکرہ اصلاح سخن، تنقیدِ کلام اور تصورِ سیرت کے لیے ممتاز ہے۔۔۔'نکات الشعرا' میں فارسی تذکروں کی تقلید کی گئی ہے۔ اس میں شاعروں کے کلام اور حالاتِ زندگی پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ بیانات اس قدر جامع اور اِصلاحیں اس قدر موزوں ہیں کہ اُن سے میرؔ کے ذوقِ سخن اور فن شناسی کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔''[۶]

رام بابو سکسینہ نے فقیر اللہ آزاد کے وطن اور عہد کی دریافت (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۴)، سراج اورنگ آبادی کے استاد کے تعین (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۹)، شعرائے ایہام؛ شاہ حاتم، شرف الدین مضمون اور مرزا مظہر جانِ جاناں کے سوانحی حالات (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۸۹)، شاکر ناجی کی شخصیت کے بیان (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۹۲)، مرزا محمد رفیع سوداؔ کی حیات اور شخصیت (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۱۵) اور دکن کے ابتدائی مرثیہ گو شعراء کے بیان (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۲۳۸) کے لیے میر کے تذکرہ **نکات الشعراء** کو ماخذ بنایا ہے۔

محمد حسین آزاد کی **آبِ حیات** اور مرزا علی خاں لطف کا تذکرہ **گلشنِ ہند** سکسینہ کی تاریخ کے اہم

ماخذات میں سے ہیں۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار ان ماخذات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''اس تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ محمد حسین آزاد کی 'آبِ حیات' ہے اگرچہ مؤلف نے آزاد کے بعض افسانوی بیانات کی تردید کی ہے لیکن بعض اغلاط اور بعض افسانوی بیانات کو اُنھوں نے قبول بھی کر لیا ہے۔ لُطف کا تذکرہ 'گلشنِ ہند' بھی مؤلف کے پیشِ نظر رہا ہے اور مؤلف نے مرزا علی لطف کو غیر معمولی راوی قرار دیا ہے۔'' [۷]

رام بابو سکسینہ نے محمد حسین آزاد کی **آبِ حیات** کو متعدد مقامات پر حوالہ بناتے ہوئے آزاد کی آرا کو ردّ و قبول کیا ہے۔ **آبِ حیات** پہلی بار ۱۸۸۰ء میں وکٹوریہ پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ وہ آزاد کی اس رائے کی تردید کرتے ہیں کہ اُردو میں سب سے پہلے دیوان جمع کرنے والے شاعر، ولی دکنی ہیں کیوں کہ قلی قطب شاہ کا دیوان دستیاب ہو چکا ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۵۷) اسی طرح وؔلی دکنی کی تصانیف کی نشان دہی کرتے ہوئے تصوف پر مبنی ایک رسالے **نورالمعرفت** کا ذکر کرتے ہیں اور اس معلومات کا ماخذ **آبِ حیات** ہی بنتی ہے۔(**تاریخ ادب اُردو**، ص:۷۷) خواجہ میر دردؔ کی شعری انفرادیت بیان کرنے کے لیے **آبِ حیات** سے ایک جملہ سند کے طور پر لاتے ہیں کہ ''تلواروں کی آب داری نشتروں میں بھر دی ہے'' (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۰۰) خواجہ میر دردؔ کے بیٹے میر اؔلم کی تاریخ و مقامِ وفات اور عمر کے تعین کے لیے بھی آزؔاد کی رائے کو بنیاد بناتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۰۲) مرزا محمد رفیع سوؔدا کی تاریخ پیدائش کے تعین کے لیے آزاد کی رائے پر شُبے کا اظہار کرتے ہیں کیوں کہ **آبِ حیات** کے علاوہ کسی معاصر نقاد یا مابعد تذکرے سے اس بات کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہیں پر وہ مرزا محمد رفیع سوؔدا کے تخلص ''سوؔدا'' کی بابت آزاد کی رائے نقل کرتے ہوئے اسے ''دلچسپ'' قرار دیتے ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آزاد کی رائے کو کس درجہ پر رکھتے ہیں اور محض ان مقامات پر آزاد کی رائے کو قبول کرتے ہیں جہاں کوئی دوسرا ماخذ بھی ان کی رائے کی تصدیق کر دے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۰۵) میر حسؔن کے اُستاد کا تعین کرتے ہوئے آزاد کی رائے بھی نقل کرتے ہیں کہ میر حسؔن، سوؔدا کے شاگرد تھے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۱۷) اسی طرح میر تقی میؔر کی عمر کے تعین کے لیے جو مختلف سندیں پیش کرتے ہیں، اُن میں آبِ حیات بھی شامل ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۴۱) غلام ہمدانی مصحفی کی تاریخ وفات اور عمر کے تعین کے لیے بھی دوسری آراء کے ساتھ ساتھ آزاد کی رائے بھی رقم کرتے ہیں۔ (رام بابو سکسینہ، ص:۱۷۸) یہاں رام بابو سکسینہ نے تحلیل و تجزیے کے بعد نتائج کا استنباط کیا ہے۔

''گلشنِ ہند''، مرزا علی خاں لطف کا تذکرہ ہے جو مذکورہ تاریخ میں دس (۱۰) مقامات پر بہ طور ماخذ حوالے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۱۵ھ بمطابق ۱۸۰۱ء میں مکمل ہوا۔ یہ اُردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے جو اُردو زبان میں لکھا گیا ہے۔ اڑسٹھ (۶۸) شعرا کے احوال پر مبنی یہ تذکرہ پہلی بار ۱۹۰۶ء میں عبداللہ خاں نے رفاہِ عام اسٹیم پریس، لاہور سے چھپوا کر حیدر آباد دکن سے شائع کیا۔ اس اشاعت کا مقدمہ مولوی عبدالحق نے تحریر کیا اور حاشیاتی نوٹ مولانا شبلی نعمانی نے لکھا۔ رام بابو سکسینہ نے ابوالحسن قطب شاہ مشہور بہ تانا شاہ گول کنڈہ سے منسوب

شعر کی دریافت کے لیے مذکورہ تذکرے سے شہادت فراہم کی ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۶۹) اسی طرح ولی کے نام میں اختلافی صورتِ حال (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۵)، ولی کی نگارشات کے تعین (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۷)، عبد الحیٔ تاباں کے سوانحی آثار اور تلمذ کے بیان (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۹۳)، میر سوز کے شعری مقام و مرتبے کے تعین (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۰۴)، کلامِ میر کی شعری حیثیت (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۵۴)، قائم چاند پوری کی شعری انفرادیت کے بیان (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۸۹) اور اسی طرح خواجہ میر دردؔ کے شاگرد ہدایت اللہ خاں دہلوی کی ایک گمشدہ مثنوی کی دریافت و نشان دہی (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۹۴) کے لیے مذکورہ تذکرے کو سند بناتے ہیں۔

تذکرہ ہندی گویاں از غلام ہمدانی مصحفی، بھی رام بابو سکسینہ کی تاریخ کا ماخذ بنتا ہے۔ فارسی زبان میں لکھا گیا یہ تذکرہ ۱۷۹۴ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۳۳ء میں مولوی عبد الحق کے مقدمے کے ساتھ سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس تذکرے میں ایک سو ترانوے (۱۹۳) شعرا کا ذکر ہے۔ رام بابو سکسینہ نے شاہ حاتم کی عمر اور تاریخ وفات کے تعین کے لیے مذکورہ تذکرے سے سند فراہم کی ہے (رام بابو سکسینہ، **تاریخ ادب اُردو**،ص:۸۹) ، شاہ مبارک آبرو کی شعری تحسین (تاریخ ادب اُردو،ص:۸۶) ،مرزا مظہر جان جاناں کی شاعری کا اعتراف و تحسین (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۹۱) اور خواجہ میر دردؔ کے سوانحی حالات مرتب کرتے ہوئے وہ مصحفی کے اس تذکرے سے مدد لیتے ہیں (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۹۸)۔ اسی طرح میر تقی میرؔ کی عمر کے تعین کے لیے مصحفی کے تذکرے سے شہادت لاتے ہیں مگر اس شہادت کو قیاس پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۱۴۱)

رام بابو سکسینہ، **تذکرہ گلشنِ بے خار** از نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کو بھی ماخذ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور کہیں کہیں اس تذکرے سے حوالے بھی دیتے ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۸۳۴ء میں مکمل ہوا اور پہلی بار ۱۸۳۷ء میں محمد باقر کے زیر اہتمام مطبع دہلی اُردو اخبار سے شائع ہوا۔۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر احسن فاروقی نے فارسی سے اُردو میں منتقل کیا جو اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر سید عبد اللہ اس تذکرے کو اعتدالِ رائے اور اغلاط سے پاک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مجموعۂ نغز سے بھی بہتر اور اغلاط سے عموماً پاک نواب مصطفٰی خاں شیفتہ کا تذکرہ 'گلشنِ بے کار ہے ---اسپرنگر کا بیان ہے کہ یہ تذکرہ بہت حد تک مجموعۂ نغز سے ماخوذ ہے لیکن صحت اور اعتدالِ رائے کے علاوہ عمدگئ انتخاب کے اعتبار سے بھی اپنے وقت کی جتنی کتابیں ہیں ان سب میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اس میں آٹھ سو (۸۰۰) شعرا کے حالات ہیں جن کے کلام کا بہترین نمونہ دیا گیا ہے۔''[۸]

رام بابو سکسینہ، میر و سودا کے دور کی شعری خصوصیات بتاتے ہوئے مذکورہ تذکرے کے حوالے سے مرزا محمد رفیع سودا کے کلام میں شتر گربگی اور ناہمواریت پر اعتراض کرتے ہیں۔ (تاریخِ ادب اُردو،ص:۹۷) لیکن مرزا سوداؔ کے شعری سرمایے میں غزلوں اور قصاید کی یکساں اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے شیفتہ کے تذکرے سے اقتباس بھی

درج کرتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۱۶) غلام ہمدانی مصحفی کی تاریخ وفات (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۷۸)، سعادت یار خاں رنگین کی عُمر (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۸۴) اور اسی تذکرے کے حوالے سے ناسخ کو آتش پر ترجیح دیتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۲۱۹)

جلوۂ خضر، سید فرزند احمد صغیر بلگرامی کا تذکرہ ہے۔ یہ تذکرہ پہلی بار ۱۳۰۲ھ بمطابق ۱۸۸۴ء میں مطبع نور الانوار، آرہ بہار سے شائع ہوا۔ اس تذکرے کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں شعرا کے ساتھ ساتھ نثر نگاروں کا بھی ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رام بابو سکسینہ نے اس تذکرے کو جہاں بھی ماخذ بنایا ہے وہاں اس تذکرے کی معلومات کا دیگر تذکروں کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔ وہ میرؔ و سوداؔ کے عہد میں ہونے والے لسانی تغیرات کی فہرست کے لیے **جلوۂ خضر** کی نشان دہی کرتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۹۶)

مجمع النفائس، سراج الدین علی خان آرزوؔ کا فارسی تذکرہ ہے جو ۱۱۶۴ھ بمطابق ۱۷۵۱ء/۱۷۵۰ء میں لکھا گیا۔ اس تذکرے میں سترہ سو پینتس (۱۷۳۵) فارسی گو شعرا کے احوال اور انتخاب کلام دیا گیا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے سراج الدین خاں آرزو کے تعارف میں اُن کی دیگر تصانیف کے ساتھ ساتھ اس تذکرے کا بھی ذکر کیا ہے جب کہ شرف الدین مضمون کے بارے میں بات کرتے ہوئے آرزو کے اسی تذکرے کو بنیاد بناتے ہوئے انھیں ''شاعرِ بیدانہ'' قرار دیتے ہیں اور اس کا سبب بھی خان آرزو کے الفاظ میں درج کرتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۸۹)

دیوانِ جہاں، بینی نرائن جہاں کا تذکرہ ہے۔ ایک سو تئیس (۱۲۳) شعرا کے ذکر پر مبنی یہ تذکرہ ۱۸۱۲ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۵۹ء میں کلیم الدین احمد نے اسے مرتب کیا۔ رام بابو سکسینہ نے **تاریخ ادب اُردو** میں دو مقامات پر اس تذکرے کا براہِ راست حوالہ دیا ہے۔ میر تقی میرؔ کی عمر کے تعین کے لیے '**دیوانِ جہاں**' کی سند پیش کرتے ہیں جس کے مطابق اُن کی عمر اسّی (۸۰) برس بنتی ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۴۱) اسی طرح مرزا کاظم علی جوان کی سوانح اور تصانیف کے تعارف کے لیے منشی بینی نرائن کے مذکورہ تذکرے سے اقتباس دیتے ہیں۔ جس کے مطابق مرزا کاظم علی جوان ۱۸۱۵ء میں فورٹ ولیم کالج کے تحت منعقد ہونے والے مشاعروں میں بھرپور شرکت کرتے تھے اور گلکرسٹ کے کہنے پر بہت سی کتب کے تراجم بھی کیے یہاں کتب کا تعارف بھی درج کرتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۴۱۰)

رام بابو سکسینہ نے **تذکرہ شعرائے دکن** از عبد الجبار خاں آصفی ملکا پوری کو بھی تاریخ نویسی کا براہ راست ماخذ بنایا ہے۔ یہ تذکرہ ۱۹۱۱ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ نصرتی کے سوانحی آثار اور تصانیف کا بیان کرتے ہوئے وہ اس تذکرے سے اقتباس درج کرتے ہیں جس میں اُن کے نام، تخلص، مذہب، درویشی، خطاب، تصنیف اور سالِ وفات کا ذکر ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۷) رام بابو سکسینہ اس اقتباس کے درج کرنے کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس بارے معلوم نہیں کہ اس تذکرے میں یہ ساری معلومات کہاں سے آئیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۶۷) اعبد اللہ قطب شاہ کا نمونہ کلام بھی اسی تذکرے سے لیا گیا ہے۔ اسی طرح دکن کے ایک شاعر عاجز

کا تعارف کرواتے ہیں اور مزید تفصیل کے لیے مذکورہ تذکرے کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۴۳)

چمنستان شعرا، لچھمی نرائن شفیق کا تذکرہ ہے جو ۱۷۵ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۲۸ء میں پہلی بار انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد سے، مولوی عبدالحق کے تحقیقی مقدمے کے ساتھ شائع ہوا۔ رام بابو سکسینہ اورنگ آباد کے شعراء کی تفصیل کے ماخذ کے طور پر اس تذکرے کا ذکر کرتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۵۷)

تذکرہ **طبقات الشعرا**، قدرت اللہ شوق کا تذکرہ ہے۔ فارسی زبان میں لکھا گیا یہ تذکرہ ۱۷۷۵ء میں مکمل ہوا۔ اس میں تین سو تیرہ (۳۱۳) شعرا کا ذکر ہے اور یہ پہلی بار ۱۹۶۸ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور سے شائع ہوا۔ اس کے مرتب نثار احمد فاروقی ہیں۔ رام بابو سکسینہ کی تاریخ کے ماخذات میں یہ تذکرہ بھی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ مرزا مظہر جان جاناں کی اُردو کے لیے خدمات بیان کرتے ہوئے قدرت اللہ شوق کے تذکرے سے تائید لیتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۹۱) **مجموعۂ نغز**، قدرت اللہ قاسم کا تذکرہ ہے جو ۱۸۰۵ء میں مکمل ہو کر پہلی بار ۱۹۳۳ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے شائع ہوا۔ فارسی زبان کے اس تذکرے میں کل چھ سو (۶۰۰) شعرا کا ذکر ہے جس کی تدوین کا اہتمام حافظ محمود شیرانی نے دو جلدوں میں کیا۔ رام بابو سکسینہ نے اس تذکرے سے براہِ راست اقتباس درج کیے ہیں۔ میر و سودا کے شعری امتیازات کی وضاحت کے لیے وہ اس تذکرے سے اقتباس نقل کرتے ہیں۔ (تاریخِ ادب اُردو، ص:۱۵۵) شاہ حاتم کے کلام میں ایہام پر مبنی کلام پر رائے زنی کے لیے بھی اسی تذکرے سے قول نقل کیا گیا ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۸۸) یہ دونوں اقتباسات فارسی زبان میں ہی مندرج ہیں۔

مخزن نکات، قائم چاند پوری کا تذکرہ ہے جو ۱۱۶۸ھ میں مکمل ہوا اور ۱۹۲۹ء میں پہلی بار انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد سے شائع ہوا۔ اس تذکرے کو مولوی عبدالحق نے مرتب کیا اور تحقیقی مقدمہ بھی درج کیا۔ اس میں ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) شعرا کا ذکر ہے۔ عبدالغفور نساخ کا تذکرہ **سخن الشعراء** بھی تاریخ ادب اُردو کا ماخذ بنتا ہے۔ جو ۱۲۸۱ھ میں لکھا گیا اور ۱۲۹۱ھ میں مطبع نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اُردو زبان میں لکھے گئے اس ضخیم تذکرے میں دو ہزار چار سو پچاسی (۲،۴۸۵) شعرا کا ذکر ہے جن میں اُنتالیس (۳۹) شاعرات کا بھی ذکر ہے۔ رام بابو سکسینہ نے ولی کے نام کے حوالے سے اختلافی بحث کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اس تذکرے میں موجود معلومات کا حوالہ دیا ہے اور دوسرے تذکروں میں موجود معلومات کے ساتھ موازنہ بھی کیا ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۵۷) میر و سوز کی عمر اور مقام وفات کے تعین کے لیے بھی اسی تذکرے سے سند لاتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۰۳) عبدالغفور نساخ کی رائے کے مطابق سعادت یار خاں رنگیں کو ریختی کا موجد قرار دیتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۸۵) اور اسی تذکرے کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ قدرت اللہ کو مرزا مظہر جان جاناں اور جعفر علی حسرت کا شاگرد بتاتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۹۲)۔ رام بابو سکسینہ نے میر بہاء الدین حسین خاں عروج اورنگ آبادی کے تذکرہ **بہار و خزاں** کو بھی ایک مقام پر تاریخی معلومات کے لیے ماخذ بنایا ہے۔ یہ

تذکرہ ۱۱۹۲ھ میں لکھا گیا۔ شعرائے اورنگ آباد کے حالات کے بیان کے لیے وہ اس تذکرے کا ذکر کرتے ہیں۔ (تاریخِ ادب اُردو، ص:۵۷)

تذکرہ ریختہ گویاں، فتح علی حسینی گردیزی کی کاوش ہے۔ فارسی زبان میں لکھا گیا یہ تذکرہ ۱۱۶۶ھ میں مکمل ہوا اور ۱۹۳۳ء میں پہلی بار انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد سے مولوی عبدالحق کے تحقیقی مقدمے کے ساتھ شائع ہوا۔ اس تذکرے میں اٹھانوے (۹۸) شعرا کا ذکر ہے۔ ۱۹۶۸ء میں عطاء الرحمٰن کاکوی نے اس کا اُردو ترجمہ کیا جس میں اشعار کو حذف کر دیا۔ یہ ترجمہ میر کے تذکرہ **نکات الشعراء** اور قائم چاند پوری کے تذکرے **مخزن نکات** کے ساتھ **تین تذکرے** کے نام سے شائع ہوا۔ رام بابو سکسینہ محض ایک مقام پر اس تذکرے کا حوالہ دیتے ہیں۔ سراج الدین علی خاں آرزو کی ادبی اہمیت واضح کرنے کے لیے وہ فتح علی گردیزی کا جملہ نقل کرتے ہیں کہ فتح علی ان کو نام کی مناسبت سے ''چراغِ محفلِ فصاحت'' کے معزز لقب سے یاد کرتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۸۶) رام بابو سکسینہ، محمد افضل بیگ قاقشال کے تذکرہ **تحفۃ الشعراء** کو بھی محض ایک مقام پر ماخذ بناتے ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۱۶۵ھ میں مکمل ہوا اور ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر حفیظ قتیل کے تحقیقی مقدمے کے ساتھ ادارہ ادبیات اُردو، حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ شعرائے اورنگ آباد کے احوال کے لیے جہاں اُنھوں نے دیگر ماخذات کا حوالہ دیا ہے وہاں مذکورہ تذکرے کا بھی ذکر کیا ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۵۷)

خمخانۂ جاوید، لالہ سری رام کا تذکرہ ہے جو تذکرہ ہزار داستان کے نام سے بھی موسوم ہے۔ **خمخانۂ جاوید**، تاریخی نام ہے۔ یہ تذکرہ ۱۸۰۹ء میں منشی نول کشور پریس، لاہور سے شائع ہوا جب کہ سرورق، مخزن پریس دہلی سے چھپا۔ چار جلدوں پر محیط اس تذکرے میں چھ سو نواسی (۶۸) شعرا کا اندراج الف بائی ترتیب کے ساتھ کیا گیا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے انشاء اللہ خاں انشا کی بہ حیثیت شاعر، اہمیت اُجاگر کرتے ہوئے اس تذکرے کی جلد اوّل سے اُن کا ایک قطعہ نقل کیا ہے۔ یوں یہ تذکرہ انشاء اللہ خاں انشا کے مندرج متن کا ماخذ بنتا ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۷۴)

تذکرۂ شورش، سید غلام حسین شورش کا تذکرہ ہے۔ فارسی زبان کا یہ تذکرہ ۱۷۷۸ء میں مکمل ہوا۔ تین سو انیس (۳۱۹) شعرا پر مشتمل اس تذکرے کو کلیم الدین احمد نے دو جلدوں کی صورت میں بالترتیب ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۳ء میں مرتب کیا۔ رام بابو سکسینہ میر تقی میر کی سیادت کو **تذکرۂ شورش** کے اختلافی نوٹ کے ساتھ موضوع بحث بناتے ہیں کہ میر فی الحقیقت سید نہ تھے بلکہ میر تخلص ہونے کی وجہ سے سید خیال کیے جانے لگے۔ یوں اس تذکرے میں موجود رائے کے وسیلے سے دیگر ماخذات کے ساتھ موازنے کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۴۳)

گلزارِ ابراہیم از نواب علی ابراہیم خاں ۱۷۸۴ء میں مکمل ہوا اور ۱۹۳۴ء میں مطبع مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے شائع ہوا۔ فارسی زبان کا یہ تذکرہ تین سو بیس (۳۲۰) شعراء کے ذکر پر مبنی ہے۔ اس تذکرے کو بھی رام بابو سکسینہ نے تاریخ ادب اُردو کا ماخذ بنایا ہے۔ مرزا کاظم علی جوان کی لکھنؤ میں سکونت کی شہادت کے لیے وہ **گلزارِ**

ابراہیم کا حوالہ دیتے ہیں کیوں کہ اُن کے مطابق مرزا کاظم علی نے بنارس میں اُن کے پاس اپنا کچھ کلام نمونے کے طور پر بھیجا تھا۔ اس صورتِ حال میں وہ گلزارِ ابراہیم کی رائے کو صائب سمجھتے ہیں۔

انتخاب یاد گار، امیر مینائی کا تذکرہ ہے۔ اُردو زبان میں لکھا گیا یہ تذکرہ ۱۸۷۳ء میں مکمل ہوا اور ۱۸۸۰ء میں پہلی بار تاج المطابع، رام پور سے شائع ہوا۔ اس میں چار سو پندرہ (۴۱۵) شعرا کے احوال رقم ہیں۔ ڈاکٹر رئیس احمد، اس تذکرے کی اہمیت یوں ظاہر کرتے ہیں:

> ''**انتخابِ یادگار** کے مطالعے سے اُردو زبان و ادب کے ارتقائی سفر پر بھی روشنی پڑتی ہے اور دبستانِ رام پور کی شعری خدمات کے سلسلے میں یہ تذکرہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔''[۹]

رام بابو سکسینہ نے محض ایک مقام پر اس تذکرے سے استفادے کا ذکر کیا ہے۔ خواجہ میر دردؔ کی شعری عظمت وانفرادیت واضح کرنے کے لیے وہ مذکورہ تذکرے سے اقتباس درج کرتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۰۰)

شمع انجمن، نواب صدیق حسن خاں کا تذکرہ ہے جو پہلی بار ۱۸۷۶ء میں رئیس المطابع شاہجانی بھوپال سے شائع ہوا۔ یہ نو سو اٹھہتر (۹۷۸) فارسی شعرا کے ذکر پر محیط ہے۔ رام بابو سکسینہ نے مولوی محمد باقر متخلص بہ آگاہ کے کوائف کے اندراج کے سلسلے میں مذکورہ تذکرے سے سند کے طور پر جملہ درج کیا ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۸۱)۔

تذکرۃ الشعراء، حسرت موہانی کا تذکرہ ہے جس میں وہ مضامین شامل ہیں جو اُن کے دو رسائل **اُردوئے معلی** میں جنوری ۱۹۲۷ء تا اگست ۱۹۲۷ء اور **تذکرہ الشعراء** میں شائع ہوئے۔ یہ تین حصوں پر محیط ہے۔ پہلا حصہ، سلاسل شعرائے اُردو، دوسرا حصہ فہرست شعرائے اُردو اور تیسرا حصہ شعرائے اُردو کے حال مع انتخاب کلام پر مبنی ہے۔ پہلے دو حصے کتابی صورت میں **اربابِ سخن** کے نام سے رئیس المطابع کان پور سے ۱۹۲۹ء میں شائع ہوئے۔ ڈاکٹر احمر لاری اس تذکرے کی بابت لکھتے ہیں:

> ''مولانا حسرت موہانی، اربابِ سخن کے نام سے اُردو شعرا کا ایک جامع تذکرہ مرتب کرنا چاہتے تھے جس میں تاریخی شعور بھی کارفرما تھا۔ حسرت کی تذکرہ نگاری کا آغاز ان کے طالب علمی ہی کے زمانے سے ہو گیا تھا۔ اُنھوں نے انجمن اُردوئے معلیٰ کے جلسوں میں شعرا سے متعلق جو مضامین پڑھے وہ تذکروں ہی کے خطوط پر لکھے گئے تھے لیکن حسرت باقاعدگی کے ساتھ تذکرہ نگاری کی طرف اس وقت گامزن ہوئے جب اُنھوں نے اپنا جریدہ **اُردوئے معلی** جاری کیا۔۔۔ پہلے دور میں جولائی ۱۹۰۳ء تا جون ۱۹۱۳ء، دوسرے دور میں جنوری ۱۹۲۵ء تا مارچ ۱۹۴۲ء شائع کیا۔ درمیانی وقفے میں حسرت نے ایک سیاسی جریدہ **تذکرہ الشعراء** کے نام سے شائع کیا تھا جس کے صرف چند شمارے شائع ہو سکے۔ انھی جرائد میں حسرتؔ، شعرا کا تذکرہ لکھتے رہے۔''[۱۰]

بعد ازاں یہ تذکرہ، **تذکرۃ الشعرا** کے نام سے شفقت رضوی نے مرتب کیا جو ادارہ یادگارِ غالب، کراچی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ رام بابو سکسینہ نے مصحفی کی تاریخ ولادت کی شہادت کے لیے حسرت موہانی کے تذکرے

کے تیسرے حصے سے مدد لی ہے۔ (تاریخ ادب اُردو، ص:۱۷۸)

تذکرہ گل رعنا از حکیم عبدالحیٔ ، ۱۹۲۱ء میں مکمل ہوا اور مطبع معارف اعظم گڑھ سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ اس تذکرے میں شعرا کے حالات تاریخی ترتیب کے ساتھ درج ہیں۔ رام بابو سکسینہ نے ابراہیم عادل شاہ ثانی کی موسیقی سے دلچسپی کی بابت اس تذکرے کا ذکر کیا ہے کہ اُنھوں نے بیجا پور کے قریب ''نورس پور'' کے نام سے ایک شہر آباد کیا اور تین چار ہزار گویے یہاں جمع کیے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۷۰) اسی طرح نصرتی کی تالیف **معراج نامہ** کی نشان دہی (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۷۲) ولی کے رسالہ **نور المعرفت** (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۷۷) اور میر تقی میر کے استغنا و بے تعلقی کی حکایات (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۸۰) کا حوالہ مذکورہ تذکرے سے دیا ہے۔

یادگارِ شعرا، ڈاکٹر اسپرنگر کی تصنیف ہے۔ ڈاکٹر اسپرنگر کا پورا نام اسلواس اسپرنگر (Alios Sprenger) تھا۔ ۱۸۵۰ء میں اُنھوں نے انگریزی زبان میں شاہان اودھ کے کتب خانوں کی فہرست درج ذیل نام سے مرتب کی۔

A Catalogue of the Arabic, Persian & Hindustani Manuscripts __ Persian & Hindustani Poetry Vol: 1

اس فہرست میں عربی کتب کا ذکر موجود نہیں تھا۔ یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل تھی۔ اس کا اُردو ترجمہ طفیل احمد نے ۱۹۳۲ء میں کیا جو **یادگارِ شعرا** کے نام سے ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد سے شائع ہوا۔ یورپی مستشرق کی کاوشوں سے انجام پانے والا یہ تذکرہ، ایک ہزار پانچ سو انتیس (۱،۵۲۹) شعرا کے ذکر پر محیط ہے۔ یہ تذکرہ اس حوالے سے خاص طور پر اہم ہے کہ اس میں ہر شاعر کا تعارف دیتے ہوئے مآخذ کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس تذکرے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہ اُردو شعرا کا پہلا تذکرہ ہے جس میں جگہ جگہ ہر شاعر کے سلسلے میں مآخذ کا سراغ دیا گیا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ تذکرہ، ماخذوں کا مجموعہ ہے۔ گویا تحقیقی نقطہ نظر سے تذکروں کے سلسلے میں مآخذ کی نشان دہی کا سلسلہ ڈاکٹر اسپرنگر سے شروع ہوتا ہے ورنہ اس سے پہلے یہ رواج نہ تھا بلکہ اکثر تذکرہ نگاروں نے تو اپنے مآخذ کا سراغ دینے سے بھی پرہیز کیا۔''[۱۱]

مذکورہ بالا اقتباس سے مذکورہ تذکرے کی اُردو تذکروں کی روایت میں اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ رام بابو سکسینہ نے اس تذکرے کو بھی **تاریخ ادب اُردو** کا ماخذ بنایا ہے اور بہت سے حقائق کی دریافت و تعین کے لیے اسے بنیادی حیثیت دی ہے۔ **ذکرِ میر** کی بابت لکھتے ہوئے وہ اس کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کرتے ہیں جس کا ذکر ڈاکٹر اسپرنگر نے اپنے تذکرے میں کیا۔ یہاں وہ ڈاکٹر اسپرنگر کا قول نقل کرتے ہیں جس میں اس قلمی نسخے کی نوعیت و کیفیت کا ذکر کیا گیا ہے۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۴۲) سعادت یار خاں رنگیں کی عمر اور سال وفات کے تعین کے لیے اسی تذکرے سے معلومات لیتے ہیں۔ (**تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۸۴) لکھنؤ کے ایک شاعر نواب غازی

الدین حیدر کے کلام کو روکھا پھیکا اور بے مزہ قرار دینے کے بعد ڈاکٹر اسپرنگر کا جملہ رقم کرتے ہیں کہ ''ان کے اشعار اس درجہ خراب ہیں کہ واقعی بادشاہ کا کلام معلوم ہوتا ہے''۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۲۲۷) اسی طرح سید حیدر بخش حیدری کا سالِ وفات، ڈاکٹر اسپرنگر کی تحقیق کے مطابق ۱۸۲۳ء قرار دیتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۴۱۰)

دکنی ادب کی تاریخ پر مشتمل کتاب **اُردو ئے قدیم** شمس الدین قادری کی تصنیف ہے جس میں عہد بہ عہد، اُردو کا ارتقا ملتا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے بہت سے مقامات پر اس کتاب سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی موسیقی سے دلچسپی (**تاریخ ادب اُردو**، ص۷۰)، نصرتی کے نام، آباؤ و اجداد اور خطاب کی نشان دہی (**تاریخ ادب اُردو**، ص۷۱) سید میراں ہاشمی کی نگارشات اور سن وفات کے تعین اور دو نا معلوم مثنوی نگاروں؛ شاہ ملک اور عاجز کی دریافت (**تاریخ ادب اُردو**، ص۷۳) بارھویں صدی کے مثنوی گو وجدی کی مثنویات کی نشان دہی (**تاریخ ادب اُردو**، ص۷۴) اور شاہ جہاں واورنگ زیب کے عہد کی قدیم اُردو کے نمونوں کے بیان کے لیے اس تذکرے کو ماخذ بنایا ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص۸۲)

مفتاح التواریخ، ٹامس ولیم بیل کی تصنیف ہے جو پہلی بار ۱۸۶۷ء میں مطبع نول کشور کان پور سے شائع ہوئی۔ رام بابو سکسینہ نے مرزا مظہر جان جاناں کی تاریخ وفات کے تعین کے لیے مسٹر بیل کی مذکورہ تصنیف کو ماخذ بنایا ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۹۰) میر سوز کی تاریخ وفات کے تعین کے لیے اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں اور اس میں موجود شہادت میں اختلاف کی صورت کی بھی نشان دہی کرتے ہیں کہ ان کے بیان کردہ سالِ وفات میں تضاد ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۰۳) اسی طرح صاحب میر آلم کی تاریخ وفات کے تعین کے لیے بھی مذکورہ کتاب سے سند پیش کرتے ہیں۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۰۲)

ناٹك ساگر، محمد عمر و نور الٰہی کی تصنیف ہے جو پہلی بار شیخ مبارک علی سنز لاہور سے ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب پندرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں سے بارھواں باب، ہندوستان میں ڈرامے کی روایت کا احاطہ کرتا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے امانت علی کے ڈرامے **اندر سبھا** پر عبدالحلیم شرر کے اعتراضات کے جواب کے لیے اس کتاب سے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۵۵۰)

مرزا محمد حسین قتیل کی تصنیف **چار شربت**، شعر گوئی اور عروض کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب مطبع محمدی پریس، لکھنؤ سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی۔ رام بابو سکسینہ نے مرزا محمد رفیع سودا کے شعری مرتبے کے تعین کے لیے مذکورہ کتاب کا حوالہ سند کے طور پر دیا ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**، ص:۱۱۵)

زندگانئ بے نظیر، پروفیسر عبدالغفار شہباز کی تصنیف کردہ ہے، جو پہلی بار ۱۹۰۰ء میں مطبع نول کشور، لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب، نظیر اکبرآبادی کے فن کا احاطہ کرتی ہے۔ سودا کے کلام کے بارے میں رائے دیتے ہوئے رام بابو سکسینہ نے پروفیسر شہباز کا ایک قول نقل کیا ہے جو یوں ہے:

''سودا اُردو کے شیکسپیئر تھے۔''[۱۲]

یہاں وہ پروفیسر شہباز کی تصنیف کی نشان دہی نہیں کرتے جہاں سے اُنھوں نے یہ قول نقل کیا ہے۔ یہ قول،

مذکورہ کتاب کے باب نمبر: ۱۷، بہ عنوان؛ ''اُردو کے شعراء میں شیکسپیئر ہونے کی صلاحیت کس میں ہے''، میں موجود ہے۔

دکن میں اُردو از نصیر الدین ہاشمی، ۱۹۲۳ء میں مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی۔ رام بابو سکسینہ نے نصیر الدین ہاشمی کی تحقیق کو بنیاد بناتے ہوئے دکن میں وجدی تخلص کے دو شاعروں کا تعارف دیا ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۷۴)

"India as it may be"، جارج کیمپبل (George Campbell) کی تصنیف ہے جو ۱۸۵۳ء میں جان مرے لندن سے پہلی بار شائع ہوئی۔ یہ کتاب دراصل ہندوستان میں حکومتی ڈھانچے اور آئین سازی کے لیے مجوزہ منصوبہ ہے۔ رام بابو سکسینہ، یورپی محققین کی آراء کی روشنی میں زبان اُردو کے لیے تجاویز دیتے ہوئے جارج کیمپبل کی تجویز بھی پیش کرتے ہیں کہ ہندوستان کے سرکاری اسکولوں میں ہندوستانی زبان کو ایک عام زبان کر دینا چاہیے کیوں کہ کسی زبان کو عام زبان کا درجہ دیے بغیر کام چلانا ناممکن ہے۔ مزید برآں یہ کہ اُردو ہندوستان بھر کی زبانِ عام یا لنگوا فرینکا کہی جانے کی مستحق ہے کیوں کہ یہی وہ زبان ہے جسے یہاں کے ادنیٰ و اعلیٰ کے ساتھ ساتھ انگریز بھی بولتے ہیں۔ اس میں بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ یہ زبان، دوسری زبانوں کے الفاظ کو جذب کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ (**تاریخ ادب اُردو**،ص:۵۶۸)

"The Oxford Students History of India"، ونسنٹ آرتھر سمتھ (Vincent Arthur Smith) کی تصنیف ہے جو پہلی بار ۱۹۰۸ء میں دی کلیرنڈن پریس، آکسفورڈ سے شائع ہوئی۔ بعد ازاں یہی کتاب The Oxford History of Inida کے نام سے ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی۔ رام بابو سکسینہ نے اس کتاب کا نام ہسٹری آف انڈیا (History of India) درج کیا ہے اور اس کتاب کے آخری باب سے اقتباس درج کیا ہے جس میں وہ اُردو زبان کو اپنی سادگی اور قواعد صرف ونحو کی نرمی کے اعتبار سے انگریزی سے مشابہ قرار دیتے ہیں اور اس امر پر زور دیتے ہیں کہ زندگی کے تمام امور خواہ وہ ادبی ہوں، فلسفیانہ یا سائنٹفک، اس میں ادا کیے جانے چاہئیں۔

مذکورہ بالا ماخذات کے تعارف وتفصیل اور ان سے استفادے کی نوعیت دیکھتے ہوئے اس بات کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ رام بابو سکسینہ نے اپنے عہد میں دستیاب تمام تر ماخذات سے استفادہ کیا اور استفادے میں محض قبول کرنے کا رویہ نظر نہیں آتا بلکہ بعض مقامات پر مذکورہ ماخذات سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند جین، **تاریخ ادب اُردو** میں مستعمل ماخذات کی نوعیت اور کتاب کی تاریخی اہمیت کو یوں اجاگر کرتے ہیں:

> ''رام بابو سکسینہ کی کتاب ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کی تسوید اس سے پہلے کے دو تین برسوں میں ہوئی ہو گی۔ اس وقت تک جدید تحقیق اور تنقید کا آغاز ہی ہوا تھا۔ اُن کو جو تحقیقی وراثت ملی تھی اسے نظر میں رکھا جائے تو ان کے تسامحات قابلِ درگزر ہیں۔ انھوں نے کتاب کے آخر میں مآخذ کی فہرست یعنی کتابیات نہیں دی لیکن اشاریے سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ ان کے

عہد تک معدودے چند تذکرے ہی شائع ہوئے تھے۔۔۔ تذکرہ و تاریخ کی قلیل متاع کے سہارے اُنھوں نے جو کچھ لکھ دیا وہ بسا غنیمت ہے۔''[۱۳]

یہ بات درست ہے کہ رام بابوسکسینہ نے کہیں بھی تحقیق کے جدید طریقہ کار کے مطابق ماخذات کی نہ تو تفصیل بیان کی ہے اور نہ ان کی تنقیدی رائے زیادہ تجزیاتی ہے جس کے سبب مذکورہ تاریخ میں بہت سے مقامات پر تحقیقی تسامحات بھی دَر آئے ہیں جن کی نشان دہی بہت سے محققین اور ناقدین نے کی ہے۔مگر یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اُنھوں نے اپنے عہد کے تحقیقی پیمانوں کو سامنے رکھتے ہوئے ادبی تاریخ نویسی کے لیے ممکنہ تمام تر ماخذات کو استعمال کیا اور تاریخ نویسی کی روایت میں اہم ترین اضافہ کیا۔[۱۴]

حوالہ جات:

(۱) رام بابوسکسینہ، **تاریخ ادب اُردو**، کراچی: غضنفر اکیڈمی، س۔ن، ص:۲۰

(۲) ڈاکٹر تبسم کاشمیری، مقدمہ، **تاریخِ ادب اُردو از رام بابو سکسینہ**، لاہور: سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص: ظ

(۳) رام بابوسکسینہ، **تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۹، ۲۰

(۴) ایضاً

(۵) مرزا سلیم بیگ، سکسینہ کی تاریخ ادب اُردو، مطبوعہ **تحقیق**، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ ۲، ۱۹۸۸ء، ص:۲۴۶/۴۷

(۶) ڈاکٹر نیاز سلطان پوری، **اُردو تذکرہ نگاری**، لکھنؤ: مکتبہ دین و ادب، ۱۹۹۸ء، ص:۵۴/۵۵

(۷) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، مقدمہ، **تاریخِ ادب اُردو** از رام بابوسکسینہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، س ن، ص:۷

(۸) ڈاکٹر سیّد عبداللہ، **شعرائے اُردو کے تذکرے**، لاہور: مکتبہ خیابانِ ادب، طبع دوم، ۱۹۶۸ء، ص:۴۸/۴۹

(۹) ڈاکٹر رئیس احمد، **اُردو تذکرہ نگاری**، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۱۵۸

(۱۰) ڈاکٹر احمد لاری، مقدمہ، **اربابِ سخن** از مولانا حسرت موہانی، لکھنؤ: اُتر پردیش اُردو اکادمی، ۱۹۸۲ء، ص:۵

(۱۱) ڈاکٹر فرمان فتح پوری، **اُردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری**، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء، ص:۳۷۱

(۱۲) رام بابوسکسینہ، **تاریخِ ادب اُردو**، ص:۱۱۶

(۱۳) ڈاکٹر گیان چند، **اُردو کی ادبی تاریخیں**، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۲۰۰۰ء، ص:۲۰۴

(۱۴) تحقیقی تسامحات کے حوالے سے درج ذیل مضامین اور کتب ملاحظہ ہوں:

(i) ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، **تاریخِ ادب اُردو** از رام بابوسکسینہ، لاہور، مطبوعہ ادبی دنیا، دسمبر ۱۹۴۰ء

(ii) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، مرتب **تاریخ ادب اُردو** از رام بابوسکسینہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، س ن

(iii) ڈاکٹر تبسم کاشمیری، مرتب، **تاریخ ادب اُردو** از رام بابوسکسینہ، لاہور، عملی کتاب خانہ، ۱۹۸۲ء

(iv) مرزا سلیم بیگ، سکسینہ کی تاریخ ادب اُردو، مطبوعہ **تحقیق**، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، شمارہ ۲، ۱۹۸۸ء

(v) ڈاکٹر گیان چند جین، **اُردو کی ادبی تاریخیں**، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۲۰۰۰ء